مرحوم احمد و بیلو کی شہادت

عالمِ اسلامی کے لیے ایک نقصانِ عظیم

خلیل حامدی

نائیجیریا کے شمالی صوبے کے وزیر اعظم الحاج احمد و بیلو سردونا کی شہادت نے تمام عالم اسلام کے اندر غم و اندوہ کی لہر دوڑا دی ہے، خاص طور پر اسلام پسند حلقوں میں اس اچانک حادثے سے شدید کہرام برپا ہو گیا ہے۔ مرحوم کی شخصیت نائیجیریا کے لیے ہی باعثِ رحمت نہ تھی بلکہ وہ تمام مسلمان ملکوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے میں غیر معمولی کردار ادا کر رہے تھے۔ اس لیے ہم ان کو "شہیدِ اسلام" سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے اور انہیں شہداء اور صالحین کے زمرے میں شمار فرمائے۔ ہمارے لیے اس وقت مرحوم کی شہادت کے اسباب اور نائیجیریا کی موجودہ فوجی حکومت کے خیالات کا جائزہ لینا مشکل ہے۔ البتہ مرحوم کی اسلامی خدمات اور شخصیت پر مختصراً روشنی ڈالتے ہیں:

مرحوم نائیجیریا کے شمالی صوبہ کے بہت بڑے گھرانے کے رکن تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ وہ اصلاً عرب ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی نسل سے ہیں۔ نائیجیریا کے اندر اسلام کی اشاعت کا سہرا مرحوم ہی کے گھرانے کے سر ہے۔ ان کے جدِّ بزرگوار سید عثمان دان فودیو بہت بڑے مصلح اور داعی گزرے ہیں۔ ان کی تبلیغی مساعی سے ۱۸۰۴ء میں جب نائیجیریا کا سب سے باا ثر اور طاقتور قبیلہ فولا حلقہ بگوشِ اسلام ہوا تو نائیجیریا کے اندر یکایک اسلام کا غلغلہ بلند ہو گیا اور ایک اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑ گئی جس کے سربراہ سید عثمان تھے اور امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ یہ حکومت بت پرست اور مشرک قبائل کی مزاحمتوں کے باوجود ایک صدی

تک قائم رہی۔ سید عثمان کی موت کے بعد اس حکومت میں ضعف و اضمحلال آگیا اور انگریزوں کو نائیجیریا پر اپنا تسلط قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں نائیجیریا نے انگریزی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کی۔ اس آزادی میں مرحوم احمد وبیلو کی جدوجہد کو بہت بڑا دخل حاصل ہے چنانچہ مرحوم شمالی نائیجیریا کے پہلے وزیراعظم منتخب ہوئے۔

مرحوم نہ صرف ایک مسلمان حاکم تھے بلکہ وہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے بھی علمبردار تھے۔ ان کے اپنے بیان کی رُو سے ایک لاکھ سے زائد لامذہب اور عیسائی ان کے ہاتھ پر اسلام لا چکے تھے۔ ابھی حال ہی کی بات ہے (نومبر ۱۹۶۵ء) کہ رابطہ عالم اسلامی اور اسلامی یونیورسٹی مدینہ کی طرف سے مبلغین کا ایک وفد نائیجیریا میں اسلامی تبلیغ کے لیے گیا۔ احمد وبیلو نے اس وفد کی سرپرستی کی اور ایک ماہ کی کوشش سے ۳۲ ہزار نائیجیرین عیسائی مشرف بہ اسلام ہوئے جس کے نتیجے میں ۲ کلیسا بند ہوگئے اور ان کے پادری اسلام کے حلقہ میں داخل ہوگئے۔ نومسلموں نے احمد وبیلو کے سامنے کلمۂ شہادت ادا کیا اور مرحوم کی طرف سے انہیں بیش قیمت تحائف دیئے گئے۔ مرحوم کے اسلامی اخلاق اور سادہ زندگی نے نائیجیریا میں اسلام کے فروغ کو بہت بڑی مدد دی ہے۔ راقم السطور نے ان کی شخصی زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تقریباً ہر سال حج اور عمرہ کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں۔ انہیں متعدد مرتبہ اس حال میں دیکھا گیا ہے کہ بیت اللہ کے غلاف کو تھامے سسکیاں بھر کر رو رہے تھے۔ شہادت سے صرف چار روز قبل وہ رمضان المبارک میں عمرہ کی سعادت حاصل کرکے واپس نائیجیریا لوٹے تھے۔

نائیجیریا کے اندر اسلامی تبلیغ کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی تعلیم کے لیے بھی سرگرمی سے کوشاں تھے۔ علماء اور مفکرین پر مشتمل کئی کمیٹیاں بنا رکھی تھیں جن کا مقصد ایسا تعلیمی نظام قائم کرنا تھا جو اسلامی عقیدے کے مطابق ہو۔ کادونا کی احمد وبیلو یونیورسٹی کے تحت مرحوم نے ایک اسلامی کالج حال ہی میں قائم کیا تھا جس میں شریعت اسلامی اور جدید قانونی مسائل کی تعلیم کا انتظام تھا۔ ابتدائی اور ثانوی مدارس میں بھی اسلامی تعلیم لازم کر رکھی تھی۔ نائیجیریا کے طلبہ کی بہت بڑی تعداد مختلف عرب ممالک میں حکومت کے خرچ پر اسلامی علوم حاصل کر رہی تھی، مصر، لبنان اور سعودی عرب سے متعدد تعلیمی وفود نائیجیریا کے اسلامی مدارس

اور کالجوں میں عربی زبان کی تعلیم کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اس غرض کے لیے مرحوم مسلمان ممالک سے خصوصی اعانت حاصل کرتے رہے ہیں۔ مساجد کی تعمیر کی تحریک بھی مرحوم نے پورے زور و شور سے چلا رکھی تھی۔ مرحوم کا خیال یہ تھا کہ ہر تعلیم گاہ کے ساتھ ایک مسجد کا ہونا ضروری ہے۔ اس وقت نائیجیریا کے مرکزی دارالحکومت لاگوس میں ایک بہت بڑی مسجد زیر تعمیر ہے۔ اسی طرح نائیجیریا کے مشرقی صوبہ کے صدر مقام نسوکا میں نائیجیرین یونیورسٹی کے اندر دس ہزار پونڈ کی لاگت کے تخمینے سے ایک مسجد بن رہی ہے۔

عام مسلمان حکمرانوں کے برعکس مرحوم اسلام کے معاملے میں نہ صرف مخلص اور متشدد تھے بلکہ اسلام کے بارے میں ان کے تصورات بھی نہایت سلجھے ہوئے اور اعتدال پسندانہ تھے۔ ۱۹۶۵ء کی اسلامی کانفرنس مکہ میں انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا: "مسلمان اس وقت اکثر و بیشتر مقامات میں مصائب و آلام سے دوچار ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میرے نزدیک اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے حالات کو خود درست کرنے کی طرف توجہ نہیں دے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہماری خاطر تبدیل نہیں ہو سکتی جب تک ہم خود اپنی خاطر اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کریں۔ مَیں نے متعدد مسلمان ملکوں کا دَورہ کیا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ مسلمان اسلام کا زبانی دعویٰ تو کرتے ہیں۔ لیکن عملی حالت یہ ہے کہ نماز تک نہیں پڑھتے۔ اور اسلام کی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض و احکام کو ادا کیے بغیر ہم دوسروں کو کیسے اسلام کی دعوت دیں اور ہماری دعوت میں پھر تاثیر کہاں سے آئے گی؟"

مرحوم کی شخصیت کا سب سے زیادہ قابلِ قدر پہلو یہ ہے کہ وہ اس وقت عالم اسلام کے واحد غیر جانبدار سربراہ اور اتحادِ اسلامی کے نقیبِ اوّل تھے۔ اتحادِ اسلامی کے نظریہ کو انہوں نے ہر تقریب اور ہر موقع پر بیان کیا ہے۔ اور نہ صرف زبان سے اس کا پرچار کیا ہے بلکہ اپنے عملی رویّے سے بھی اس کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہر مسلمان ملک سے یکساں تعلقات رکھے ہیں۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل سے جتنے گہرے ان کے مراسم تھے اتنے ہی گہرے مراسم اُن کے متحدہ عرب جمہوریہ کے سربراہ سے تھے۔ حالانکہ ان دونوں ملکوں میں پچھلے عرصہ میں شدید کشیدگی رہی ہے۔ مراکش اور الجزائر کے اختلاف کو رفع کرنے میں انہوں نے ایک مسلمان سربراہ اور ایک افریقی لیڈر کی حیثیت سے نمایاں

حصّہ لیا۔ انہی جذبات کے تحت انہوں نے تقریباً تمام مسلمان ملکوں کا متعدد مرتبہ دورہ کیا ہے۔ اور اس معاملے میں انہوں نے نہ صرف مسلمان حکمرانوں سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے بلکہ عامۂ مسلمین نے بھی ان کی کوششوں کو سراہا ہے۔ اتحادِ اسلامی کی دعوت اور اسکیم کے بارے میں وہ جس قدر مخلص، جری اور صاف گو تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں حج کے موقع پر جو اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اُس میں شاہ فیصل نے اپنی افتتاحی تقریر میں یہ اعلان کیا تھا کہ سعودی عرب بدستور عرب لیگ کا رُکن رہے گا۔ اس تقریر کے جواب میں مرحوم نے بھرے جلسہ میں اٹھ کر کہا کہ "میں صرف اسلامی اتحاد کا حامی ہوں۔ اگر ہم صحیح معنوں میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور دنیا کے اندر اسلام کا فروغ چاہتے ہیں تو ہمیں اسلامی اتحاد کے سوا کسی اور بنیاد پر اتحاد قائم کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ ورنہ نسلی اور لسانی اتحاد کے دعووں کے ساتھ اسلامی اتحاد کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اقوام متحدہ کے جواب میں ایک اسلامی اقوام متحدہ کی تشکیل عمل میں لائی جائے"۔ اسی طرح انہوں نے آج سے ۵ ماہ قبل بیت المقدس میں مسجد صخرہ کی افتتاحی تقریب کے موقع پر عرب رہنماؤں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "تم لوگ فلسطین کو صرف عربوں کے ایک مسئلہ کی حیثیت سے پیش کر کے اس مسئلے کو کمزور کرتے ہو اور اسے بہت بڑی تعداد کی حمایت سے محروم کرتے ہو۔ اگر اسے عربوں کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا مسئلہ کہا جائے گا تو اس کی پُشت پر دنیا کا ہر مسلمان ہو گا"۔ مرحوم کا اشارہ "تنظیم برائے آزادیٔ فلسطین" کی کانفرنس کی ایک قرارداد کی طرف تھا جس میں کہا گیا ہے کہ "فلسطین صرف عربوں کا مسئلہ ہے۔" ان کی اس صاف گوئی سے اگرچہ بعض قوم پرست چیں بجبیں ہوتے تھے مگر ان کی بات کا کسی سے جواب نہ بن پڑا۔ سالِ رواں میں حج کے موقع پر شاہ فیصل کی طرف سے مسلم سربراہوں کی جس کانفرنس کے انعقاد کی تیاریاں ہو رہی ہیں اُسے کامیاب کرنے کے لیے وہ شاہ فیصل کے دستِ راست کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ رابطۂ عالمِ اسلامی کے نائب صدر کی حیثیت سے وہ اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد کا نقشہ مرتب کر کے رابطہ کو پیش کر چکے ہیں، جس کا خلاصہ اسی مضمون میں آگے چل کر ہم نقل کر رہے ہیں۔

افریقی ممالک میں پاکستان اور کشمیر کی جس نے کھلم کھلا اور واشگاف حمایت کی وہ احمدو بیلو ہی تھے۔ بلکہ بعض دوسرے افریقی ممالک سے کشمیر کے لیے حمایت حاصل کرنے میں بھی ان کی قابلِ قدر کوششیں سامنے آئی ہیں۔ گھانا کی افریقی ممالک کی کانفرنس میں بھارتی جارحیت کی مذمت اور کشمیر کے حق خود ارادیت کی حمایت میں انہوں نے پوری قوت سے آواز بلند کی۔ بلکہ راقم السطور کو یاد ہے کہ ۱۹۶۱ء میں حج کے موقع پر پاکستانی سفارت خانہ کی طرف سے منیٰ میں نمایاں حجاج کی جو دعوت کی گئی تھی اس میں مرحوم نے کشمیر کے معاملے میں پاکستان کے موقف کی صاف صاف تائید کی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب عرب ملکوں کے اندر بھارت کے گمراہ کن پروپیگنڈا کا خاصا طوفان برپا تھا۔ رابطۂ عالم اسلامی کی مجلسِ تاسیسی کے ممبر اور نائب صدر کی حیثیت سے بھی انہوں نے یا اُن کے نمائندے نے ہر موقع پر کشمیر کی قراردادوں کی پُرزور حمایت کی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی اسلامی کانفرنس میں کشمیر اور ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کے مسئلہ کو اٹھانے میں نائیجیریا کے وفد کی خاص کوششوں کو دخل رہا ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ مرحوم کی شہادت سے پاکستان افریقی ممالک کے اندر اپنے بہت بڑے خیر خواہ سے محروم ہو گیا ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔

مرحوم افریقہ میں اسلامی مفاد کے تحفظ اور استعماری اثرات کے استیصال کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ ان کی ان دونوں حیثیتوں کو ایک دوسرے سے منفک نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی استعمار دشمنی کی تہ میں اسلامی مفاد کا جذبہ ہی کار فرما تھا۔ چنانچہ وہ افریقہ میں اسرائیل کے روز افزوں نفوذ سے سخت بے چین تھے۔ پچھلے سال اسلامی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں انہوں نے دنیا بھر کے نمائندوں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ "میں اسرائیل کا نمبر ایک دشمن ہوں اور رہوں گا۔" حالانکہ اکثر نو آزاد افریقی ممالک اسرائیل کی طرف لپک رہے ہیں اور اسرائیل کی اقتصادی اور ثقافتی منڈی بنتے جا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اُن کا یہ اعلان مجاہد کے نعرۂ حق سے کم نہیں ہے۔ بلکہ پچھلے سال انہوں نے یہاں تک جرأت دکھائی تھی کہ اسرائیلی سفیر کا، جو نائیجیریا کے دورہ پر نکلا تھا، استقبال کرنے سے انکار کر دیا تھا اور شمالی نائیجیریا میں، جس کے مرحوم وزیر اعظم تھے، اُس کے داخلے کو روک دیا تھا۔ رہوڈیشیا میں سفید فام

اقلیت کے غیر قانونی اقتدار کے مسئلے میں مرحوم کا موقف نہایت قابلِ ستائش تھا۔ سفید فام حکومت کی بیخ کنی کے لیے مرحوم افریقی ممالک کی کانفرنس منعقد کرنے کی اسکیم لے کر اٹھے تھے۔ یہ اسکیم بڑے دُور رس اثرات کی حامل تھی اور قبل اس کے کہ اس پر عملدرآمد ہوتا انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔

افریقہ کے مسلمانوں کو متحد کرنے کی بھی وہ منظم کوشش کر رہے تھے۔ ایک طرف وہ لامذہب آبادیوں میں اسلام کی دعوت کی اشاعت میں مصروف تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کے اندر سے جہالت اور غیر اسلامی اثرات کی آمیزش کی تطہیر کے لیے کوشاں تھے۔ نائیجیریا کے مسلمانوں پر اُن کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے نائیجیریا کے چاروں صوبوں کی مسلم آبادی کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور اُن میں وحدت و یگانگت کی ایسی رُوح پھونک دی کہ ملک کی ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ کی آبادی میں سے ۳ کروڑ ۵۰ لاکھ مسلمان صرف ایک لیڈر کی قیادت پر مجتمع ہو گئے تھے۔ وہ نائیجیریا کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی "آل ناردرن نائیجیریا کانفرنس" کے صدر تھے جو مسلمانوں کی تمام سیاسی پارٹیوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ اور دوسری طرف جمعیۃ نصر الاسلام کے سرپرست تھے جو تعلیم و تربیت اور اشاعت دین کے میدان میں مسلمانوں کی خدمت سرانجام دے رہی ہے، جس کے تحت کئی اسلامی مدارس، تبلیغی ادارے اور رفاہی مراکز کام کر رہے ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جہاں کی پوری آبادی پر قبائلی نظام کارفرما ہے نصف سے زائد آبادی کو متحد کر دینا بہت بڑی خدمت ہے۔

سالِ رواں میں حج کے موقع پر شاہ فیصل کی طرف سے مسلم سربراہوں کی کانفرنس کے انعقاد کی جو تیاری ہو رہی ہے اُس میں مرحوم کا بہت بڑا حصہ شامل ہے۔ مرحوم نے شہادت سے چند روز قبل اس کانفرنس کی ضرورت اور زیر بحث مسائل اور دوسری ابتدائی تیاریوں پر مشتمل ایک رپورٹ رابطۂ عالمِ اسلامی کو پیش کی تھی۔ ذیل میں ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

" دنیائے اسلام میں اس وقت فکری استعمار کا دور دورہ ہے جو مسلمانوں کو اپنے تابناک اور زرخیز ماضی سے کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے حالانکہ مسلمانوں کے موجودہ معاشرہ کا ماضی سے منسلک رہنا ضروری ہے۔ یہ استعمار مختلف نظریات کو فروغ دے کر مسلمانوں کے اندر انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے

اختلافات کی خلیج پیدا کر رہا ہے تاکہ نوجوان نسل کو مغربی نظریات کا رسیا بنا دیا جائے، دنیائے اسلام کے وسائل پر قبضہ کی راہ ہموار کی جا سکے اور دنیائے اسلام کو اسلامی عقائد و روایات سے بے بہرہ کر دیا جائے۔"

"دنیا اس وقت مختلف نظریاتی بلاکوں میں بٹتی جا رہی ہے۔ ان حالات میں کوئی مسلمان قوم بھی، خواہ وہ کتنی ہی مضبوط اور طاقتور ہو، جداگانہ طور پر اپنے اندر ایسا مربوط اور مستحکم معاشرہ تعمیر نہیں کر سکتی جو نظریاتی لحاظ سے خود کفیل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مسلمان ممالک عالمی بلاکوں میں سے کسی ایک بلاک کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اسلامی ممالک اگر بدستور الگ الگ رہے اور الگ الگ نظریاتی اسکولوں میں منقسم ہوتے رہے اور اپنے اُس عقیدے سے غافل رہے جو پوری ملتِ اسلامی کو ایمان کی اساس پر مجتمع کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو دنیائے اسلام بلاشبہ ہولناک خطرات کا لقمہ بنے بغیر نہیں رہے گی۔"

"ایمان ایک کامل اور محکم نظریاتی بنیاد ہے جو ہمیں ایسی اصولی بنیادیں فراہم کر دیتا ہے جن سے انسانی سوسائٹی کو ارتقاء سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے۔ اور ہمیں یہ اجازت بھی دیتا ہے کہ ہم ہر اُس چیز کو اختیار کریں جس میں خیر کا پہلو ہو خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے مل رہی ہو۔ اسلام نے اٹل احکام اور اپنی عملی تاریخ کے ذریعہ رنگ و نسل کے امتیاز سے قطع نظر مساوات اور انسان دوستی پر زور دیا ہے۔ حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کئی مہذب ممالک نسلی اور لونی تعصبات کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کی یہ اسلامی اور انسانی ذمہ داری ہے کہ وہ کلمۂ دین کو بلند کریں اور اپنی صفوں کو منظم کریں تاکہ دنیا کو شر و فساد سے پاک کر سکیں۔"

"دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے ایسے عالمی بلاک وجود میں آ گئے ہیں جنہوں نے ایسے ہتھیار بنانا شروع کر دیئے ہیں جو کرۂ ارضی سے انسانی زندگی کو کلیتہً محو کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس انسانی آزمائش کے پیش نظر دنیا کی آبادی کا جزو اعظم ہونے کی حیثیت سے اور ایسے دین کا نام لیوا ہونے کی حیثیت سے جو امن و سلامتی کا داعی اور احترام انسانیت کا علمبردار ہے، مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عالمی امن کے تحفظ کی کوششوں میں حصہ لیں۔ بلکہ عالمی طاقتوں کے اندر توازن پیدا کرنے اور ان کی باہمی رسہ کشی کو ختم کرنے میں مؤثر کردار ادا کریں۔"

(باقی ص۶۵ پر)

(بقیہ: مرحوم احمد وبیلو کی شہادت)

"آج دنیا مادی وسائل کے استعمال اور سائنٹفک ترقی میں بلاشبہ بلند معیار پر پہنچ چکی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس ترقی میں روحانی اقدار اور اخلاقی اصول جن کی ادیان سماوی نے تعلیم دی ہے، مضمحل اور پامال ہوگئے ہیں۔ اسلام ہی ایک ایسا نظریہ ہے جو روحانی امور اور طبعی مطالبات کے اندر ضروری توازن پیدا کرتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مادہ پرستانہ رجحانات اور اخلاقی انحطاط کے ہاتھوں انسانی تہذیب کو بچانے کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور انہیں ادا کرنے کی جدوجہد کریں۔ مسلمان قومیں کئی صدیوں تک سامراجی تسلّط ونفوذ کا نشانہ بنی رہی ہیں جس کا سب سے نمایاں نتیجہ یہ نکلا کہ ان قوموں کے اندر استعمار کی لائی ہوئی روایات اور نظریات پھیلنے شروع ہوگئے۔ اس صورتِ حال نے دو واضح حقیقتوں کو جنم دیا:

۱۔ ایسی رکاوٹیں ابھر آئیں جو اسلامی ملکوں کے متحد فکری پلیٹ فارم پر جمع ہونے میں حائل ہو رہی ہیں۔

۲۔ عقیدۂ اسلامی کے تقاضوں اور زندگی کی جدید ضروریات کے مابین ایک وسیع خلیج پیدا ہوگئی ہے۔"

"یہ حالات اسلامی رہنماؤں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور ایسا منصوبہ تجویز کریں جس کی رُو سے ایک تحقیقاتی ادارہ قائم کیا جائے جو اسلامی نظریہ کو بھی واضح کرے اور ہمارے مسائل کا عملی حل بھی تجویز کرے اور یہ ثابت کرے کہ دین اسلام کو ضائع اور مسخ کیے بغیر بھی جدید رجحانات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔"

"دنیا کے متعدد ممالک جن میں بعض اسلامی ممالک بھی شامل ہیں ابھی تک استعماری طاقتوں کے چنگل میں کراہ رہے ہیں۔ لہٰذا آزاد اسلامی ممالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہم متحد ہوں اور اپنی مساعی کو منظم کریں تاکہ دنیا کے اندر سے سامراج کی ہر قسم کو نیست ونابود کیا جاسکے، ہر قوم کو حق خود ارادیت سے بہرہ ور کیا جاسکے اور اسلام کے نظام کو نافذ کیا جاسکے جو انسانیت کو استعمار، ناجائز انتفاع اور غلامی اور عبودیت کے جال سے نجات دلانے کی بشدّت تاکید کرتا ہے۔"

"مذکورہ بالا اسباب و مسائل کے پیشِ نظر ایسے اجتماع کی اہمیت و ضرورت صاف نمایاں ہو جاتی ہے جس میں مسلمان حکومتوں اور ریاستوں کے سربراہ ان مسائل پر غور و خوض کریں۔ امید ہے کہ مسلم سربراہوں کی کانفرنس ایک ایسی اسلامی تنظیم کو جنم دے گی جو عالمی قوت بن کر نمودار ہو اور جو اسلامی عقائد اور روایات کی پاسبانی کرے اور ساتھ ساتھ نوعِ بشری کی خوشحالی، ترقی اور امن کے لیے مؤثر کردار ادا کرے۔"

کانفرنس کے کرنے کے کام جو مرحوم نے تجویز کیے تھے، حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ اسلامی ممالک کا تمام میدانوں میں مضبوط تعاون اختیار کرنا اور باہم خوشگوار تعلقات کو پروان چڑھانا۔

۲۔ عالمی امن کی حمایت اور ایٹمی اسلحہ کے استعمال کی تحریم۔

۳۔ ہر شکل اور ہر نوع کے سامراج کا خاتمہ اور محکوم ممالک کی جدوجہد آزادی کو تقویت دینا۔

۴۔ نظریۂ اسلام کی تجدید کے لیے اور اسلامی اصولوں کے مطابق اسلامی معاشروں کی تاسیس کے لیے اسلام کے عملی ڈھانچوں کا جائزہ۔

۵۔ کانفرنس میں شرکت کرنے والے ملک جن مسائل سے دوچار ہوں ان کے بارے میں تبادلۂ خیالات۔

۶۔ کانفرنس کی قراردادوں کو نافذ کرنے کے لیے ذمہ دار مشینری کی تشکیل کے امکانات کا جائزہ۔

مرحوم نے اپنی اس رپورٹ میں یہ بھی تجویز کیا ہے کہ اس کانفرنس کو منعقد کرنے کے لیے ایک کنوینگ کمیٹی بنائی جائے جس میں ذیل کے ممالک شامل ہوں: الجزائر، اردن، پاکستان، سعودی عرب، صومالی لینڈ، متحدہ عرب جمہوریہ اور کوئی اور ملک جسے شامل کیا جانا مناسب ہو۔